طرز زندگی پر ترقیاتی وسائل کا اثر

مؤلف: جواد پارسائی
مترجم: محمد کاظم دہلی

خلاصہ

اگر ہم کسی معاشرہ کی ثقافت وتمدن کو طرز زندگی کا نام دیں تو ہر معاشرہ کا طرز زندگی ایک خاص تصور کائنات اور مخصوص فکر پر مبنی ہوگا، بعبارت دیگر ہر خاص فکر ایک تمدن وثقافت (طرز زندگی) کو وجود دیتی ہے۔اس مقالہ میں پہلے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دوران مغربی ترقی وتوسیع کے اسباب اور بعد میں اس کے تصور کائنات اور ایک خاص فکر پر مبنی ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر تکنیکی معاشرہ کے مختلف پہلوؤں کے تجزیہ و تحلیل کے ساتھ مغربی معاشروں کی مقلدانہ ترقی کے آثار وعوارض کی تحقیق کی گئی ہے۔آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ مغربی ترقی کی تقلید اپنے ساتھ ایک خاص طرز زندگی رکھتی ہے اور اس نہج حیات میں اسلامی اقدار واعتقادات پھیکے اور غیر اہم ہو جاتے ہیں۔اس بناپر اسلامی طرز زندگی ہر ترقی سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

مقدمہ

مغربی فکر نے کل چار دور طے کئے ہیں۔ یونان کا دور، قرون وسطیٰ، نشاۃ ثانیہ کا دور اور عہد حاضر۔ نشاۃ ثانیہ کا دور انسان کی زندگی کے رنج کے ادوار میں اہم ترین دور ہے۔ اس میں انسان کے تصور کائنات میں انقلاب آیا اور تجربی علوم میں بنیادی تبدیلی کے ساتھ آلات ووسائل سازی اور ٹکنالوجی کے میدان میں انسان نے اس قدر ترقی کی گویا انسانی زندگی کی شکل ہی بدل گئی ہے۔ یہ زمانہ، حیات انسانی کے اہم ترین ادوار میں سے ایک ہے۔ مسلمانوں کے معاشروں میں ٹکنالوجی کی آمد کے ساتھ ان میں ثقافتی ٹکنالوجی کے لوازم بھی داخل ہو گئے جس سے ان کی فردی واجتماعی زندگی کے اسلوب میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس طرز زندگی میں بہت سے مواقف پر دینی عقائد سے تعارض وٹکراؤ تھا۔ یہیں سے مغربی طرز زندگی اور اسلامی نہج حیات کے درمیان بحث کا آغاز ہوا۔ اس مقالہ میں ہم ایسے سوالات کے جواب دینا چاہتے ہیں کہ ٹکنالوجی کی توسیع وترقی کا تصور کائنات سے کیا ربط ہے۔ جدید ٹکنالوجی تصور کائنات (جہان بینی) کے سایہ میں پیدا ہوئی ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں ٹکنالوجی کے اصول وضوابط کیا تھے؟ کیا نئی ٹکنالوجی، کسی خاص ثقافت وتمدن کی دین

ہے۔ اور اس نے کسی خاص طرز زندگی کو وجود دیا ہے یا نہیں؟ تیکنیکی معاشرہ کے طرز زندگی کی خصوصیات کیا ہیں؟ کیا یہ اصول اسلامی طرز زندگی سے میل کھاتے ہیں؟

انسان کی ایک اہم ترین خصوصیت جو اسے تمام موجودات سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ اس میں غور کرنے اور سوچنے کی صلاحیت ہے۔ انسان اپنی عقل سے کائنات کا مطالبہ و تجزیہ کرتا ہے اور اس کے بارے میں خاص تصور قائم کرتا ہے۔ اور اسی تصور کی اساس پر وہ اپنی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے۔ بعبارت دیگر اپنی عقل کے اصولوں کے مطابق کچھ اقدار، اور یہ کہ یہ صحیح ہے وہ غلط، کچھ اخلاق اور کردار سے متعلق چیزوں کا پابند ہو جاتا ہے اور انہیں اقدار کے مطابق وہ اپنی زندگی کے سخت دستور قوانین بناتا ہے۔ اس بنا پر ہر انسان کی زندگی کے تین پہلو ہوتے ہیں۔ ۱۔ تصور کائنات (عقائد)۔ ۲۔ صحیح وغلط کی تمیز اور اخلاقی اقدار کے معیار کا تعین۔ ۳۔ اپنی زندگی کا ڈھانچہ بنانا اور تمدن کی تخلیق کرنا بناتا ہے۔ مثلاً جو شخص خدا کے وجود کا عقیدہ رکھتا ہے (یہ اس کا تصور وفکر ہے) اسے اس کی عبادت کرنا چاہئے اور نماز پڑھنی چاہئے جو یہ اس کی ثقافت ہے۔ نماز پڑھنے کے لئے ایک مکان وجگہ کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے وہ مسجد بناتا ہے جو یہ اس کا تمدن ہے۔ ہر معاشرہ کا تمدن اس کی ثقافت کی دین ہے اور ہر سماج کی ثقافت اس کے تصور کائنات وعقائد کی مرہون ہے۔ طرز زندگی یا اسلوب حیات ایک معاشرہ کی خاص ثقافت وتمدن کا مجموعہ ہے جو کسی خاص فکر وتصور سے وجود میں آتا ہے۔ اسی بنا پر ہر تصور کائنات اور خاص فکر ایک ایسا طرز زندگی ایجاد کرتا ہے جو اس کے شایان شان اور اس کے مطابق ہوتا ہے اور طرز زندگی ایک خاص فکر و نظر کی ترویج کرتا ہے۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ فکر اور تہذیب وتمدن کا ارتباط دو رخا ہے۔ اگر معاشرہ میں توحید سے خالی ثقافت وتمدن پیدا ہو جائے اور اسلامی طرز زندگی کمزور ہو جائے تو اس معاشرے کے لوگوں کے توحید والوہیت کے اعتقادات بھی کمزور ہو جائیں گے۔

۲۔ نئے تصور کائنات کی خصوصیات

۲/۱۔ سیکولرازم اور کلیسائی طرز فکر کی گوشہ نشینی

ارباب کلیسا کی دنیا پرستی اور ان کا اخلاقی انحطاط اور مسیحیت کے دینی نظریات کا نامعقول ہونا اور ان کا بعض جدید علمی نظریات سے تعارض وٹکراؤ، کلیسا اور دین مسیحی کے انحطاط وگوشہ گیری پر تمام ہوا اور معاشرہ سے کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں اخلاقی فساد اور دنیا پرستی لوگوں کی زندگی پر مسلط ہو گئی تھی

اسی لیے انہیں سائنس اور آلات ووسائل کی زیادہ فکر ہوئی کیونکہ ان کے ذریعہ وہ فطرت وقدرت اور اس کے موجودات سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۲/۲۔ طبیعت اور قدرت کا بطور کمیت مطالعہ

کپلر، گلیلیو، نیوٹن، بیکن اور ڈکارٹ جدید سائنسی علوم کے بانی کہے جاتے ہیں، انہوں نے کمّی نقطۂ نظر سے کائنات اور اس کے موجودات کی جدید اور ایسی تفسیر پیش کی ہے، جس کی مکمل معرفت ریاضی نے کرائی ہے (برٹ، ۱۳۷۴، ص ۵۹) گلیلیو ریاضی کو عالم طبیعت کی زبان قرار دیتا ہے۔ (بیزونسکی، ۱۳۸۸، ص۲۱) ورفلوکیسون، نیوٹن دیفرانس، لایب نیتس ہندسہ تحلیلی کے ساتھ ڈکارٹ کے عملی علوم کے وجود میں آنے کا اصلی سبب جانتا ہے۔ ڈیفرانسیل۔

۲/۳۔ کائنات سے فاعلی اور علت غائی کا حذف ہونا

کائنات کی کمی وذرہ تفسیر کے نتیجہ میں مشین ہی کو سب کچھ سمجھا جانے لگا۔ علم طبیعیات کی ایجاد اور سیاروں کی حرکتوں اور اشیاء کی کمی تفسیر کے ساتھ ہی اشیاء کے سقوط کے بارے میں کئے جانے والے سوال کو ان کا سبب معلوم کرنے کا سوال قرار دیا گیا اس طرح علت فاعلی وعلت غائی طاق نسیاں ہو گئی۔

یہاں تک کہ بعض دیندار قسم کے لوگ مثلاً نیوٹن، بھی سیاروں کی بعض حرکتوں کی علمی توجیہ و تفسیر کرنے کے لئے گھڑی ساز خدا کا سہارا لیتے ہیں۔ (بابور ۱۳۶۲، ص ۴۳) حالانکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لاپلاس نے حرکتوں کی علمی توجیہ کی اور کہا خدا نہ ہونے کے فرضیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (اسٹیس ۱۳۷۷، ص۱۱۷) فرانسیس بیکن کا عقیدہ تھا کہ علت غائی کی تحقیق کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اس کی مثال اس باکرہ لڑکی جیسی ہے جو خدا کے لیے وقف ہو ظاہر ہے وہ کسی کو وجود نہیں دے سکتی ہے۔ (کاپلسٹن کے، ۱۳۸۰، ج ۳، ص ۳۵۲) کائنات کے بارے میں کمی نقطہ نظر کی بنیاد پر ہیومنزم (Humanism) کا عقیدہ وجود میں آیا کہ ہیوم جیسے لوگ کہنے لگے دنیا پر دور سے دور تک ایک نظر ڈالئے یہ آپ کو ایک ایسی چیز نظر آئے گی، جو خود چھوٹی چھوٹی مشینوں میں منقسم ہے (اسٹیس، حوالہ سابق، ص ۱۶)

یہ نظریہ اتنا آگے بڑھا کہ انسان کو بھی ایک مشین کی مانند سمجھا جانے لگا۔ اور یہ کہہ دیا گیا کہ انسان کے حالات واخلاق دماغ کے کیمیائی فعل وانفعالات کے وسیلہ سے قابل توجیہ ہیں۔ (باٹ، ۱۳۷۷۔ ۱۳۸۲، ص ۱۳۸)

۲/۴۔ انسان دوستی

انسان دوستی یا نئے زمانہ کی اصطلاح ہیمونزم کا تعلق بھی ڈکارٹ کی کوژیتو (تشکیک) سے ہے۔ اس نظریہ کے مطابق "انسان دانشور ہے جو ہر چیز کا محور ومعیار قرار پاتا ہے"۔ بعبارت دیگر اس کے بعد انسان کا سرکش نفس، خدا کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہ انسان ہے یہی طے کرتا ہے کہ کون سا کام اخلاقی ہے اور کون سا غیر اخلاقی، یہ انسان ہے جو خود بنیاد ہے یہی فردی واجتماعی زندگی پر حاکم قوانین ایجاد کرتا ہے۔ اس بناپر اگر انسان ہم جنسی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا، کیونکہ یہاں بھی جو چیز اہم ہے وہ اس کا نفس ہے۔ اس نظریہ کی رو سے پوری کائنات انسان کی خدمتگار ہے۔ اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کائنات کے موجودات کو جس طرح چاہے استعمال کرے اس کائنات سے خدمت لینے میں اس کے لئے خطرہ کا نشان وہ جگہ ہے جہاں خود انسان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ اس کے امن وامان کے علاوہ کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ یہی انسان لوٹ مار کے ذریعہ لذت اندوزی اور قدرت وفطرت سے فائدہ حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ یہی انسان ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری عمر آلات اور ٹکنالوجی کی ساخت صناعی میں صرف کر دیتا ہے۔ ہیمونزم (Humanism) اور اس کی اولاد "لبرل ازم" (یعنی آزاد خیالی وجمہوری اصلاحات کا نظریہ اور ڈیموکریسی انسان کی ضرورتوں کے درمیان کسی فرق وتفاوت کے قائل نہیں ہیں۔ وہ انسان کے لئے (حقیقی غائی) کے قائل نہیں ہیں اور اس بات کے شدت سے قائل ہیں کہ سارے انسانوں کی ضرورتیں یکساں طریقے سے پوری ہونی چاہئے۔ جبکہ اس صورت میں حیوانی خواہش کی شدت، کمال سے عشق کی راہ میں مانع ہو گی جو کہ فطری خواہشوں کا سرچشمہ ہے اور انسان کی کامیابی کے راستہ کو مسدود کر دے گی۔ ۱۔ ۲۔ (آوینی، ۱۳۹۰)

۲/۵۔ تکامل وارتقاء کا نظریہ

انیسویں صدی میں چارلز ڈاروین نے انواع کی ارتقاء وتکامل کا نظریہ پیش کیا، اس نظریہ کی بنیاد یہ تھی کہ انسان دسیوں لاکھ سال کے ارتقائی سفر کے بعد ایک واحد خلیہ کے حامل موجود سے وجود میں آیا ہے۔ اس بناپر انسان کی نسل کا تعلق ان بندروں سے ہے جو زمین شناسی کے چوتھے دور میں زندہ تھے۔ اس نظریہ کی رو سے آج کا عقلمند انسان ایک دن وحشی جانور تھا۔ غاروں میں رہتا تھا اور دوسرے حیوانوں کی مانند کھاتا پیتا اور زندگی گزارتا تھا، گذرتے زمانہ کے ساتھ اس نے نئے نئے آلات وہتھیار بنائے اور زراعت ومویشی پروری کرنے لگا اور تاریخ کے سفر کی ڈگر جدید ومتمدن انسان کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہے۔ "نظریہ ارتقاء" تاریخ کو

ایک ارتقائی سفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ موجودہ زمانہ کے انسان کو گذشتہ زمانہ کے انسان سے زیادہ کامل قرار دیتا ہے۔ (باقری، ۱۳۸۹، ص ۱۳۴) کیونکہ ماڈرن انسان کے پاس زیادہ ترقی یافتہ آلات وٹکنالوجی ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے انسان کا تمدن وتکامل آلات ووسائل کی ترقی کے مترادف ہے، اس بناپر ترقی یافتہ ممالک متمدن ومتکامل ہیں اور دیگر ممالک، تیسری دنیا اور پچھڑے ہوئے ہیں۔ تو ان ممالک کے تمام مقاصد اور منصوبے ٹکنالوجی اور آلات کی ترقی کے لئے ہونے چاہئیں۔

جدید علم فلسفی اصول کے ہاتھ میں ارتقاء وتکامل کا نظریہ اس عقیدہ کے ظاہر ہونے کا سبب ہوا کہ ہر چیز میں تبدیلی اور علمی تنزلی کی صلاحیت ہے۔ گیارہویں صدی سے تقریباً ستر ہویں صدی تک کے فزیکس دانوں کا مطلوب کمال یہ تھا کہ وہ سارے مادی مظاہر اور وقائع کی ایٹم کی حرکت کے مطابق وضاحت کر سکتے تھے اور کیمیا کے ماہرین نے کیمیا کے عمل اور رد عمل کو اسی فکر کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور کیمیا کو فزیکس میں بدل دیا اور زیست شناسوں نے اپنے علم کو کیمیا کے عمل ورد عمل کو جاننے میں صرف کیا اور فزیکس کے ذروں کی حرکت کو محدود کرنے کی سعی کی ہے۔ فروکاسٹن یا تحویل کے رجحان کا نظریہ علم جدید کی اصل ہے اور اس تکامل وارتقاء کا نظریہ اس کا قلعہ ہے۔ اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ روح ذہن میں یا مقید جان میں تبدیل ہو سکتی ہے اور مقید جان حیات کی فعلیت میں، زندگی بے جان مادہ میں اور آخر میں بے جان مادہ ایسے ذروں میں تبدیل ہو سکتا ہے جنہیں ہم ختم نہ ہونے والی انرجی کہہ سکتے ہیں اور اس کی حرکتوں کو کمی صورت میں تبدیل کرکے تولا جاسکتا ہے۔ (۱۳۸۷، ص ۲۷۰)

نشاۃ ثانیہ کے انسان کی جہان بینی میں تبدیلی کے نتیجہ میں انسان کی زندگی کا تانا بانا دوسرے تاریخی ادوار سے مختلف ہوگیا تھا۔ ٹکنالوجی کی روز افزوں ترقی اور مشینی آلات ووسائل کی تیزی وبکثرت اختراعات انسان کے لئے دوسرے تمدن کی سوغات لائی کہ جسے ٹکنالوجیکلی اور مشینی تمدن کہا جاسکتا ہے۔

آج کا انسان جدید ٹکنالوجی اور مشینی آلات کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتا ہے۔ انسانی معاشرہ کی حیات، جدید ٹکنالوجی سے وابستہ ہے، اسی وجہ سے دنیا کے ممالک کی ساری کوششیں اور ان کی تمام علمی وتعلیمی منصوبہ سازیاں، ٹکنالوجیکلی اور مشینی ترقی کے لئے صرف ہورہی ہیں اور کسی بھی ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا معیار بھی یہی ہے۔ اسی بناپر ہر ملک میں آلات ووسائل اور مشینی ارتقاء وتوسیع کو اولویت دی جاتی ہے۔

۳۔ تکنیکی معاشرہ میں طرز زندگی کی خصوصیات

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید ٹکنالوجی نے انسان کو بہت سے محصولات کی سوغات عطا کی ہے لیکن اس نے مختلف معاشروں میں ایک خاص تہذیب وتمدن کو بھی وجود دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ جدید ٹکنالوجی نے انسان کے طرز زندگی، خصوصاً اسلامی معاشرہ کے نہج حیات کو یک لخت بدل دیا ہے جدید طرز زندگی کے مختلف شعبوں (جو مشینی اور تکنیکی معاشروں کی ترقی کی دین ہیں) کا تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ اجتماعی خطرات کا سراغ لگایا جاسکے اور موجودہ مشکلات کو بر طرف کرنے کا مناسب طریقہ تلاش کیا جاسکے اور اسلامی طرز زندگی کے اثبات کی طرف قدم اٹھایا جاسکے۔

۱/۳۔ یعنی فرد گرائی انفرادیت پسندی

اجتماع ومعاشرہ سے الگ اور انفراددیت پسندی، جدید طرز زندگی کے عوارض میں سے ایک ہے۔ ٹکنالوجی اس بات کا سبب ہوئی کہ انسان دوسروں سے ارتباط اور لین دین کے بغیر تنہا بھی اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ عہد نو کے انسان کے پاس باہمی ارتباط کے وسائل وآلات ہیں لیکن اس کے باوجود وہ تاریخ کا تنہا ترین انسان ہے۔ جدت پسند انسان نے ٹکنالوجی کو اپنا دل دے دیا ہے وہ اس کا بے رقیب رفیق بن گیا ہے۔

ایسے معاشرہ کے افراد، انٹرنیٹ اور چند کلیک کی مدد سے پیچیدہ ترین معاملات اور بڑے لین دین کو باآسانی انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں مد مقابل یا فریق ثانی کو قریب سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساری دنیا کے حالات واخبار سے گھر بیٹھے کسی بتانے والے کے بغیر آگاہ ہو جاتا ہے۔ اہم ترین وجدید ترین نظریات اور علمی تھیوری سے واقف ہو جانے اور دور بیٹھے ہوئے لوگوں سے بحث ومباحثہ کرتا ہے جبکہ نہ ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور نہ ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی ہے۔ آج طلاب کو یونیورسٹی اور کلاس میں جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے کمرے ہی میں انٹرنیٹ کے ذریعہ استاد سے درس لے سکتا ہے اور اسی طرح امتحان دے سکتا ہے اور سند حاصل کر سکتا ہے۔ ہوائی جہاز اور سفر کے دیگر وسائل کے ذریعہ لوگ اپنے ہم سفروں کو جانے پہچانے بغیر مشرق سے مغرب تک کا سفر کر لیتے ہیں، کسی کی ہم نشینی کی ضرورت نہیں ہوتی نہ گفتگو کی احتیاج محسوس ہوتی ہے۔ اپنے مخصوص فریضہ کو انجام دیتے ہیں، انسان، مکان یاب نظام (جیسے GPS وغیرہ) کے ذریعہ کسی بھی جگہ پہنچ جاتا ہے اور اس کے تمام علاقوں کی سیر کرتا ہے، وہ کسی سے پتہ معلوم کرنے کا محتاج نہیں ہے، وہ کریڈٹ کارڈ کے وسیلہ سے مال اور بازار سے خریداری کرتا ہے، اے۔ ٹی۔ ایم سے پیسہ نکال سکتا

ہے اور جمع بھی کر سکتا ہے، ملازمت کی جگہ اپنی حاضری وغیرہ درج کر سکتا ہے اور دوسرے انسان سے کچھ معاملہ کئے بغیر بہت سے کام انٹرنیٹ کے وسیلہ سے انجام دے سکتا ہے۔

اسی طرح عصر نو کے لڑکے فیس بک اور واٹس ایپ کے ذریعہ ایک دوسرے سے دوستی کر لیتے ہیں اور اجتماعی کارناموں کو تاریخ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ عہد نو کے انسان کا دائمی دوست موبائل اور ٹویٹ بک ہے، اسے تنہائی اور مجمع سے سروکار نہیں ہے اس کے کان میں ایئر فون لگا ہوا ہے۔ کارنگی یونیورسٹی کے محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال سے انسان اپنے خاندان کے دیگر افراد سے جدا ہو جاتا ہے۔ اجتماعی پروگرام میں کم شریک ہوتا ہے۔ مایوسی اور گوشہ نشینی کے میلان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔" (دریفوس ۱۵۸۹، ص۶) حقیقت یہ ہے کہ مشینی معاشرہ میں لوگوں کے درمیان مشین اور ٹکنالوجی ہی واسطہ ہے اور ان کے درمیان براہ راست ارتباط میں یہی چیزیں رکاوٹ بن گئی ہیں۔ لیکن توجہ رکھنی چاہئے کہ جدید انسان کی تنہائی پسندی اور گوشہ نشینی کی فکر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ تنہائی اختیار کر کے خود اپنے اور اپنے خدا پر توجہ مرکوز کرے گا۔ بلکہ تنہائی پسندی عین کثرت پسندی ہے اور غیر کی یاد میں خود فراموشی اور خدا کو بھلا دینا ہے۔ ممکن ہے ترقی پذیر اور غیر ماڈرن معاشرہ میں ابھی ایسی چیزوں کا احساس تک نہ ہو لیکن ترقی یافتہ ممالک میں یہ چیزیں مشاہدہ میں ہیں اور روز بروز ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معاشرہ جس قدر مشینی بننے اور ٹکنالوجی سے استفادہ کی طرف بڑھے گا اسی تناسب سے وہ لاشعوری طور تنہائی پسندی اور عزلت گزینی کی طرف بڑھے گا۔

۳/۲۔ کثرت طلبی اور خود فراموشی

اسلامی طرز زندگی میں اہم ترین چیز خود شناسی، اور نتیجہ میں خداشناسی ہے اس بنا پر انسان کی زندگی کا طریقہ کچھ ایسا ہونا چاہئے جو اسے اس اہم مقصد تک پہنچا دے۔ لیکن مغربی طرز زندگی میں تمام رفاہی وسائل اور سازوسامان خود فراموشی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جدید تکنالوجی نے انسان کی زندگی میں ایک بنیادی انقلاب کے ذریعہ سارے تمدنوں کو ملیامیٹ کر دیا ہے اور ساری بشریت کو معیشت کی وجہ سے ایک یونٹ بنا دیا ہے۔ اور دوسری طرف انسان کی شرعی ضرورتوں کا مادی وحیوانی پہلو کی صورت میں خلاصہ کر دیا ہے۔ وہ بھی انہیں میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ اور اپنی معنوی حیات سے غافل ہو گیا ہے۔ اس غفلت کے وضعی آثار آج کے انسان کی زندگی میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ یہ حالات اگرچہ بہت زیادہ افسوس ناک ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ افسوس

ناک وہ جہل مرکب ہے جو اسے اس غفلت سے باہر نہیں نکلنے دیتا ہے۔ (آوینی، ۱۳۹۰، ص۴۶) جو انسان ایسے نظام میں سکونت اختیار کرتا ہے وہ ناچار کثرت طلبی سے دوچار ہوتا ہے۔

ٹکنالوجی اور اس کے لوازم پر حد سے زیادہ توجہ مرکوز کرنے نے انسان کو روحانی اور الٰہی بارگاہ سے روک دیا ہے اور اسے کثرت پسندی اور حیوانی خواہشوں کی تکمیل کی فکر میں ڈبو دیا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور اطلاع رسانی کا جدید نظام جس میں سیٹ لائٹ، ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ، سنیما، روزنامہ (اخبار) اور موبائل وغیرہ شامل ہیں، انسان پر اس طرح مسلط ہوگیا ہے کہ اسے خود سے بیگانہ کر دیا ہے۔ انسان ایسے عہد میں زندگی گزار رہا ہے جسے اطلاعات کے دھماکہ کا زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ مختلف ذرائع سے ملنے والی خبروں کا ایک ہجوم ہے۔ ایسے اخبارات واطلاعات جو اس کے ذہن کو ایسے جھوٹے موضوعات میں الجھا دیتے ہیں جن کے بارے میں غور کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اطلاعات کا یہ ہیبت ناک سیلاب کچھ ایسا ہے کہ جب کوئی شخص کسی فلسطینی بچے کے مارے جانے کی خبر سنتا ہے تو افسوس کرتا ہے لیکن جب وہ کسی گھڑ دوڑ کے مقابلہ یا چین میں سب سے بڑا پیتزا بنانے کی خبر یعنی سنتا ہے تو پہلی خبر فلسطینی بچہ کے قتل کو بھلا دیتا ہے۔ اس کے پاس اس بارے میں غور کرنے کی فرصت نہیں ہے کیونکہ وہ دس منٹ کے عرصہ میں بیس خبریں سنتا ہے۔ اس کے پاس ان میں سے کسی کے بارے میں غور کرنے کا وقت نہیں ہے۔ یا ٹیلی ویژن اور سنیما دیکھنے والا جو سنیما بینی میں غرق ہے وہ ایک طرح کی بے خودی اور مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ (آوینی ۱۳۷۵، ص ۹)

موجودہ طرز زندگی اس قدر پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کہ شب و روز میں لوگوں کا زیادہ وقت انہیں سلجھانے میں گزر جاتا ہے۔ دن کا زیادہ وقت تکراری اور تھکا دینے والی مصروفیات، دفتروں کے کام کے لئے بھاگ دوڑ، نوکر شاہی نظام کے لئے خرید وفروخت، بینک سے پیسہ نکالنا اور جمع کرنا، وسائل کی خریداری، آلات کی تنصیب ومرمت کرانے اور دفتروں سے پروانہ واجازت لینے وغیرہ میں گزرتا ہے۔

اس طرح صنعتی شہروں میں آبادی اور جدید وسائل وامکانات کا تمرکز، حمل و نقل، ٹرافک کا نظام اور فضائی وصوتی آلودگی کے مسائل اس بات کا سبب ہوئے کہ لوگ اپنے گھر سے محل کار تک جانے آنے میں کئی گھنٹے صرف کریں اور تھکان اور سستی سے دوچار ہوں اور اس تھکان سے بچنے کے لئے بے خود کر دینے والے کام انجام دیں۔ مثلاً فلم دیکھیں مقابلہ کی روشوں وغیرہ میں اتنا وقت صرف کریں کہ ان کے پاس اپنے اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کا وقت باقی نہ رہے اور بس مشینی زندگی کی سیر وسفر میں منہمک رہیں۔

ذرائع ابلاغ کا سسٹم جو تبلیغات واخبار کے ساتھ مساوی طور پر سب کی دسترس میں ہے وہ اپنے ناظر کو سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی جھوٹی مصروفیت کا تحفہ دیتا ہے جس طرح خاندان کا سرپرست اخبار واطلاعات سنتا ہے اسی طرح خاندان کے بچے اور نوجوان سنتے ہیں اسی بناپر ''نیل پسٹمن'' ذرائع ابلاغ کی ایجاد کو بچپنے کی آفت قرار دیتا ہے۔

نئی مشین اور آلات کی ایجاد کی راہ میں جدت پسند انسان اپنی شہوت کو پورا کرنے اور اپنے موجودہ آلات کے نقص کو برطرف کرنے کے لئے ہمیشہ جدید ترین اور کامل ترین وسائل بنانے کی فکر میں رہتا ہے اور اس کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا ہے۔ وہ نہ جھجکتا ہے نہ اس میں وہ رکتا ہے۔ اپنی ساری توجہ بیرونی کام پر مرکوز کرتا ہے اور اپنی ذات وہستی سے غافل رہتا ہے۔ جدت پسند انسان جب خود کو بھلانے پر تیار ہوتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے جلائی ہوئی آگ میں جل جاتا ہے۔ وہ فاوسٹ[۲] کی مانند اپنی روح کو فطری ماحول پر تسلط وقابو پانے کے عوض فروخت کردیتا ہے اور اس سے ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں کہ ماحول پر یہی تسلط وقابو اس ماحول کے خفقان کا سبب بن جاتا ہے اور بوم کشی (ماحولیات اور جنگلوں کی بربادی) کا انجام خودکشی ہوتا ہے۔ (نصر ۱۳۸۲، ص ۲۴) جی ہاں، جدت پسند انسان ''فاؤسٹ'' کی مانند ہے بس فرق یہ ہے کہ اس جدید فاوسٹ کا جادو ''ٹکنالوجی'' ہے۔ اور ٹکنالوجی، عالم وجود میں اس شیطانی جادو وتصرف کی پیداوار ہے، اور یہ تصرف محدود اور بے مقصد ہے اور اس کی نفی خود اسی میں چھپی ہوئی ہے۔ کیا ابھی اس کے انکار کا زمانہ نہیں آیا ہے۔ (آوینی ۱۳۸۶، ص ۷۵)

انسانی اقدار ومحبت کا زوال

لوگوں کے درمیان میل محبت ایجاد کرنے کا اہم ترین سبب سنتی طرز زندگی تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی ضرورت میں کام آتے تھے۔ رائج طریقہ اور نزدیک سے لین دین کرتے تھے، مثلاً ایک جگہ کے لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ایک دوسرے کے گھر میں آمد ورفت رکھتے تھے۔ اور بہت سے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ بازار میں دوکاندار ایک دوسرے کی خبر رکھتے تھے۔ ان کے درمیان دوستانہ روابط ہوتے تھے۔ طولانی سفر میں ہم سفر ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے اور ان کے حالات دریافت کرتے تھے۔ کون سی دوستی تھی جو سفر میں نہیں ہوتی تھی، سیکڑوں امور اور روابط میں جن کا تجزیہ کیاجاسکتا ہے، شہروں میں معماری کے کام ہوتے تھے۔ مسجد کی عمارت کے لئے مخصوص جگہ مدرسہ، کچھ مذہبی وتربیتی

عمارتیں ہوتی تھیں، لوگوں کو اکثر ان سے سروکار رہتا تھا۔ ان چیزوں کی وجہ سے لوگوں کی زندگی میں دینی اقدار و تعلیمات کا رنگ غالب رہتا تھا۔ مساجد اور مذہبی عمارتیں خاص معنوی و عرفانی ذوق کے ساتھ تعمیر کی جاتی تھیں۔ گھروں کو کچھ اس طرح بنایا جاتا تھا کہ دروازے سے مطبخ تک مذہبی تہذیب نظر آتی تھی۔ لیکن جدید زمانہ میں انسانوں کی جگہ پر آلات آگئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آلات انسانوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ جس سے تنہائی پسندی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور انسانوں کے باہمی روابط میں کمی آرہی ہے۔ کیونکہ اب لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ انسانی محبت و ہمدردی زائل ہو رہی ہے اور اقدار بھلائے جارہے ہیں۔

اپارٹمنٹ میں بہت سے خاندان ایک دوسرے کے پاس زندگی گزارتے ہیں لیکن ایک دوسرے کا نام تک نہیں جانتے ہیں۔ ہمسایہ اور ہم محلّہ ہونے کے تمام احکام وآثار ختم ہو رہے ہیں۔ جی ہاں ٹکنالوجی نے انسانی انس و محبت کے قلعہ کو مسمار کر دیا ہے۔ جب انسان تکنیک کی دنیا اور اس کے سایہ میں زندگی گزارے گا تو اسے ہمسایہ کی کیا ضرورت ہوگی۔ گویا تکنیک کی دنیا میں ہمسایہ ہونا فضول و بیکار ہے۔ (داوری اردکانی، ۱۳۷۹، ص ۲۹) آمد و رفت کے وسائل کی تبدیلی نے بھی ہمسفر ہونے کے معنی بدل دیئے ہیں۔ لوگ روبوٹ کی مانند ایک دوسرے کے پاس اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے وہ نوع انسانی سے نہیں ہیں، تنہا ہیں، تکنیکی معاشرہ کی معنوی و عرفانی عمارت، ذوق واقدار سے خالی ہوتی ہے۔ باہمی ارتباط کے جدید وسائل اگرچہ اس بات کا سبب بنے ہیں کہ لوگ تحریر اور آواز کی صورت میں پیغام کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم کریں، لیکن اس مشینی نظام نے انسان کو زندگی کے امور میں اس طرح الجھا دیا ہے کہ اس کے پاس اس طرح کے ارتباط کا وقت نہیں رہا ہے۔ اس قسم کے ارتباط میں محبت وجذبات نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ انسان محبت و معنی کو بھی منتقل نہیں کر سکتا۔ محبت والفت کا احساس "بالمشافہ ملاقات" میں ہوتا ہے۔ اسی تکنیکی نظام نے خاندانوں کو ایک دوسرے سے جدا اور بیگانہ کر دیا ہے اور بعض تخصصی اور مہارتی مشاغل و مصروفیات نے انسان کو خاندانی زندگی سے الگ کر دیا ہے چہ جائیکہ وہ لوگوں کے قریبی رابطہ میں رہیں (پیسی، ۱۹۶۷، ص۱۷۶)

جدید طرز زندگی میں لڑکے مناسب علم و شغل حاصل کرنے کے لئے اپنا خاندان اور وطن چھوڑ دیتے ہیں اور جب انہیں کام مل جاتا ہے تو زیادہ مصروف ہونے کی بنا پر خاندان والوں سے رابطہ محدود ہو جاتا ہے اور باہمی محبت کا رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جو کارخانوں، کمپنیوں اور محکموں میں ملازم

ہیں وہ دن بھر تھکا دینے والے تکراری کام میں مشغول رہتے ہیں اور جب گھر جاتے ہیں تو تھکان ونڈھال ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان والوں کو کم محبت دیتے ہیں۔ اسٹنفورڈ کے مسٹر ناس کے نقطۂ نظر سے فن آوری کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے باہمی معاملات و تعلقات کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک گھر میں زندگی گزارنے والے افراد میں ہمدلی کو بھی کم کر دیتی ہے، وہ کہتا ہے۔ ''ہم موڑ پر کھڑے انسانوں کے تجربات میں ایک حقیقی شکست وریخت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔'' (ناس، ۱۳۸۹، ۸۴، ص۱۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ جو انسان جدید معاشرہ میں زندگی گذارتا ہے، یا جو بتدریج مشین (جیسا) بن جاتا ہے، اس کی محبت والفت کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے، اس کی مثال روبوٹ جیسی ہے، جو ایک منصوبہ کے تحت معین وقت پر کام شروع کرتا ہے اور معین وقت پر کام ختم کر دیتا ہے۔ اور ایک خاص ڈگر پر چلتا ہے یہی اس کا روزمرہ ہے۔ یا ضرورت بھر پیار و محبت نہ ملنے کی وجہ سے افسردگی اور نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایسی مشغولیت اور نوکر شاہی کے پیچیدہ نظام سے بھی افسردگی اور نفسیاتی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ ٹیکنالوجی کی صوتی اور تصویری آلودگی سے بھی اجتماعی بحران و تشنج بڑھتا ہے۔

۳/۴۔ مجازی دنیا

مجازی اور علیحدگی کی زندگی، انسان کے لئے ٹکنالوجی کا ایک دوسرا تحفہ ہے۔ کمپیوٹر اور موبائل کے کھیل، ایکشن وخیالی فلمیں، انٹرنیٹ و ٹیلی ویژن اور سنیما وغیرہ نے انسان کو حقیقت سے دور کر دیا ہے اور اس کے لئے مجازی اور علیحدہ زندگی نے بنادی ہے۔ موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، سیٹ لائٹ، سنیما، جدید موسیقی (میوزک) سی، ڈی، ڈیسکٹ، میکدے، پارک اور عہد حاضر کے تمدن کے وہ مظاہر ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنے وجود کی حقیقت سے ہی بیگانہ ہو گیا ہے۔ (آوینی، ۱۳۸۶، ص ۱۲) جدت پسند انسان ان چیزوں کی کثرت کے باوجود کیسے خود اندیش وخود دار بن سکتا ہے؟ اس بنا پر عصر نو کے انسان کا اصلی مقصد ایک قسم کی بے خودی ہے اور یہ بے خودی اسے خدائی فطرت اور تاریخی وجدان سے غفلت برتنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ (آوینی، ۱۳۸۶، ص ۱۳)

مایک ونٹور الکھتا ہے: جو چھوٹی بڑی اور مختلف اسکرین جو کمپیوٹر اور موبائل، ٹیب لیٹ، آئی فون، بلیک بیری اور فنڈس وغیرہ کی شکل میں ہیں انہوں نے آج کے انسان کی زندگی کو اپنے کاموں میں لگا لیا ہے۔ اور وہ اپنے طریقہ سے حقیقت وواقعیت دکھاتی ہیں۔

۳/۵۔ رفتار کی اہمیت

ماڈرن زمانہ میں تجربی علم کا اہم ترین مقصد، سرعت افزائی کے آلات ایجاد کرنا ہے، انسان کی زندگی کے تمام امور میں سرعت کی ضرورت کے دو سرچشمے ہیں۔ اول تو یہ کہ انسان نے نشاۃ ثانیہ کے دوران اپنی زندگی سے معنویت اور مبدا و معاد کو حذف کر دیا تھا اور وہ خوش حال زندگی گزارنے کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ چنانچہ ایک حد تک وہ اپنی زندگی سے لطف اندوز بھی ہوا۔ لیکن اس کامیابی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انسان ایسے آلات بنانے کی سوچے جو اسے برق رفتاری کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دے اور کم مدت میں وہ طبیعی مواد و سرچشموں کا سراغ لگالے اور دوسرے ماڈرن آلات بنا کر جلدی سے اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرے۔ سرعت کی ضرورت کا دوسرا سرچشمہ یہ ہے کہ ماڈرن شہروں کے وجود میں آنے اور انسان کے طرز زندگی کے بدلنے کے ساتھ ماڈرن معاشرہ کا تانا بانا اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا اور نتیجہ میں انسانی ضرورتوں کی تکمیل کا راستہ اور طولانی ہو گیا، مثال کے طور پر، شہروں میں کارخانے لگ جانے سے، اداری نظام اور ان کے دفتر بھی وجود میں آگئے، یہ چیزیں باعث ہوئیں کہ ان کارخانوں، اداروں اور کمیٹیوں میں کام کرنے کے لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد شہروں میں سکونت اختیار کرے، اسی وجہ سے صنعتی شہر آباد ہوئے، عام لوگوں اور کاشتکاروں کی شہروں کی جانب ہجرت ایک طرف تو شہروں کی روز افزوں آبادی کا سبب ہوئی اور دوسری طرف زراعت اور غذائی مواد کی پیداوار میں کمی کا باعث ہوئی۔ زراعت اور غذائی مواد کی قلّت کے بحران کو روکنے کے لئے انسان نے سوچا کہ ٹنتیک صنعت کاری یا کیمیائی کھاد کے ذریعہ کم وقت میں زیادہ غذائی مواد پیدا کرے اور غذائی مواد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے حمل و نقل کے ایسے وسائل ایجاد کرے جن کی مدد سے جلد از جلد غذائی مواد کو جابہ جا کر سکے اور جدید شہری زندگی کے لئے جہاں خاندان کے پاس کھانا پکانے کا وقت کم ہوتا ہے ان کے کھانے کے لئے بیکری کی بنی ہوئی چیزیں اور فاسٹ فوڈ (جلد پکا ہوا کھانا) ہونا چاہئے۔ ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جن کی مدد سے کم وقت میں کھانا تیار کیا جا سکے۔

انسان کو دفتروں، اداروں، وزارت خانوں اور بینک کی ضرورت تھی تا کہ کم وقت میں زیادہ معلومات کو منتقل و محفوظ کیا جا سکے لہٰذا یہ ادارے وجود میں آگئے، اسی بنا پر کمپیوٹر اور سپر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ بنایا گیا اور ماڈرن معاشرہ کا تانا بانا چونکہ پیچیدہ تر ہو رہا تھا۔ لہٰذا وہ ٹکنالوجی کے تعاقب میں پڑا تا کہ وہ چھوٹی جگہ اور کم وقت میں زیادہ کام انجام دے سکے۔ جس طرز زندگی میں کام کی انجام دہی کے لئے ایک سرعت مطلوب تھی تو

دوسری سرعت فرعی کاموں میں مطلوب قرار پائی۔ یہی امور کی جلد انجام دہی کا مقصد بنتی ہے۔ اس بناپر علم بھی جلد اور خلاصہ کے طور پر حاصل کیاجائے، بیماریوں کاعلاج بھی کم وقت میں اور جلد ہو۔ چنانچہ جدید تعلیمی اور طبّی نظام میں بھی سرعت، اہم عنصر ہے۔ اس کے برخلاف قدیم تعلیمی اور طبّی نظام میں سرعت کی گنجائش نہیں ہے۔ اس بناپر یہ کہاجاسکتا ہے کہ سرعت جدید مشینی معاشرہ وزندگی کی رفتار کا نتیجہ ہے، کیونکہ ماڈرن طرز زندگی کچھ اس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے کہ انسان روز بروز زیادہ سرعت کامحتاج ہوتا جارہا ہے۔ اگر رفتار نہیں بڑھے گی تو وہ نئے بحران سے دوچار ہوگا۔

۳/۶۔ فکر وتعقل کا تعطل

انسان مختلف قویٰ کا حامل ہے اور ان قویٰ (حسی، خیالی، وہمی اور عقلی قوتوں) میں سے ہر ایک کا ایک تقاضہ ہے۔ جو قوت انسان کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ عقل وفکر کی قوت ہے۔ انسان کا کمال اور کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی حیوانی قوتوں کے درمیان تعادل ایجاد کرکے اپنے تعقل وافکار کی قوت کے لئے میدان ہموار کرے۔ حیوانی قوتوں (حس وخیال اور وہم) میں سے ہر ایک پر حد سے زیادہ توجہ دینا انسان کو اس کی سعادت یعنی تعقل وافکار کے تکامل، سے روکتا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کے نظام نے دواعتبار سے انسان سے فکر واختیار کی صلاحیت چھین لی ہے:

ا۔ ماڈرن انسان کے کارناموں میں سے ایک زمان ومکان کی حدوں کو توڑ کر پیغام رساں امواج کی تخلیق کرنا ہے۔ الیکٹرانک امواج کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اطلاعات پہنچانا، جدید دنیا کے دل کی امنگ ودھڑکن ہے۔ جیساکہ کریسٹین نیسٹردم نے اس وقوعہ کو غیر مرئی صنعت میٹافزک کا نام دیا ہے۔ (پوسٹمن، ۱۳۷۸، ص ۱۳۶)

دور، دراز علاقوں میں اطلاع رسانی کے لئے ۱۸۳۲ء میں مورس نے وسائل ف، ب، ٹیلی گراف کی اختراع کے ساتھ ایک انقلاب برپا کیا اس کے بعد ٹیلی فون کے وجود میں آنے کے ساتھ کیمرہ، ریڈیو، ٹیلی ویژن، سنیما اور انٹرنیٹ کا بصری انقلاب آیا پھر الیکٹرانک کاانقلاب آیا اور پھر بصری انقلاب آیااور چونکہ ان انقلابات میں ہم آہنگی نہیں ہے لہٰذا یہ زبان وتہذیب کے لئے بڑاخطرہ ہیں انہوں نے فکر کی دنیا کو نور اور موج کی دنیامیں تبدیل کردیا ہے۔ (پوسٹمن، ۱۳۷۸، ۱۴۲)

اجتماعی ارتباط کے وسائل کی توسیع کے ساتھ بتدریج کلامی و حقیقی ارتباط کی جگہ صوتی اور تصویری ارتباط آگیا۔ اب لوگوں کو ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کے لئے ایک دوسرے کے پاس جانے اور روبرو ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب بالمشافہ گفتگو کی جگہ ارتباط کے لئے صوتی و تصویری وسائل آگئے ہیں۔ صوتی فائلوں، تعلیمی انیمیشوں اور آن لائن کلاسوں کی توسیع کی وجہ سے حضوری تعلیم، کتاب اور قلم وقرطاس اور استاد وشاگرد کے درمیان گفتگو روبزوال نظر آتی ہے۔

کتاب ''فضا ہائے تو خالی'' (اندر سے خالی فضاؤں) کا مصنف، نیکلاس لکھتا ہے: تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو لوگ ڈیجیٹل کے بجے سجائے متون پڑھتے ہیں وہ متون، ان لوگوں سے کم سمجھتے ہیں جو متون کو کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

''رابرٹ ہابل برونز'' آرن ہایم، کی ستائش کرتے ہوئے لکھتا ہے: مصور پیغامات مکتوب تہذیب کو برباد کرتے ہیں اور عقل وفکر انسانی کے پایوں کو منہدم کرتے ہیں۔ (حوالہ سابق، ص ۱۴۲۔ ۱۴۴)

اس بنا پر جدید اطلاع رسانی کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ جدید وافراط کا شکار انسان اپنی توجہ کو خیالی اور دوسری حیوانی قوتوں کی طرف موڑ دے اور سوچنا اور تعقل کرنا بند کر دے۔

۲۔ جدید مشینی نظام کی پیچیدگی اور انسان کی راہ میں پیدا ہونے والی دشواریوں نے اس کی ساری توجہ کو کام کرنے، کھانے اور سونے کی طرف مبذول کر دیا ہے۔ شہری زندگی اور محل کار پر جاکر مشینی نظام نے انسان پر مغرب کا ایسا نفسیاتی اثر ڈالا ہے کہ اس کے اکثر باشندے نفسیاتی اور روحی بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ مثلاً امریکہ کے ''اڈیڈاس''، ''نایک'' اور ''ہانس'' کارخانوں کے ملازمین کو دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے دس منٹ کا وقت ملتا ہے۔ ان کے بیت الخلاء تک میں کیمرہ لگا دیا گیا ہے۔ جو ملازم بیت الخلا میں کچھ زیادہ وقت لگا دیتا ہے اسے لاؤڈا سپیکر کے ذریعہ بلایا جاتا ہے۔ ملازمین باہم گفتگو نہیں کر سکتے۔ (ایلچ، ۱۳۸۹، ص ۸۶، ۱۱۳) تھکا دینے والے اور طویل المدتی کام اس بات کا سبب بنے کہ وہ کم وقت میں ان مشکلوں سے نجات پانے کے لئے بے خود کرنے والے کام جیسے سنیما، ورزش کے مقابلے، ٹیلی ویژن اور موسیقی کے پروگرام دیکھیں۔ ''اوقات فراغت'' کی اصطلاح جدید نظام کی پیداوار ہے۔ جدیدیت نے فراغت اور غیر فراغت کے اوقات کو اس طرح پر کر رکھا ہے کہ انسان کے پاس یہ سوچنے کا وقت بھی نہیں ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کس لئے آیا ہے؟ اور کہاں جارہا ہے؟ اس کی زندگی پر مشینی نظام حاکم ہے وہی اسے خاص سمت کی طرف روانہ

کرتا ہے۔ درحقیقت ہم ٹکنالوجی کے امور میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ ہم نے اصلی ٹکنالوجی کے میدان تحقیق میں قدم نہیں رکھا ہے اور جو چیز ٹکنالوجی کی ماہیت کا لازمہ ہے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا ہے۔ (ریخت میگران، ۱۳۸۹، ص ۱۷۶)

۳/۷۔ تہذیب وتمدن کو یکساں بنانا

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہر فکر اپنے ساتھ ایک خاص تہذیب وتمدن لاتی ہے۔ گذشتہ زمانہ میں مختلف اقوام وملل میں سے ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق ایک خاص طرز زندگی رکھتی تھی۔ یہ فرق فقط ملتوں میں ہی نہیں تھا بلکہ ایک ملک کے جداگانہ شہروں اور قوموں میں بھی تھا۔ جو لوگ گرم علاقوں میں رہتے تھے وہ گھر بنانے میں مخصوص مواد استعمال کرتے تھے یہ سرد ومرطوب علاقوں سے مختلف ہوتے تھے۔ ہر علاقہ کی خاص غذائیں، پھل اور سبزیاں ہوتی تھیں جو طبّی نقطۂ نظر سے اس علاقہ کی آب وہوا اور مزاج کے مطابق ہوتی تھیں۔ ہر قوم کے افراد کا قومی لباس اور لہجہ مخصوص ہوتا تھا۔ ہر خطہ کے لوگوں کے اخلاق وعادات رسم ورواج اور کام دوسرے خطوں سے مختلف ہوتے تھے اسی طرح دیگر قومی وملی خصوصیات تھے۔ اس کے بارے میں شہید آوینی لکھتے ہیں: ''اس (جدید ٹکنالوجی کی) تہذیب میں دنیا کی حقیقت گم ہو گئی ہے اب اسے مادی خواہشوں کے دریچوں ہی سے دیکھا جاسکتا ہے اور ایسا تکامل قہری طور پر مادی امکانات کی توسیع ہی سے ہوگا۔۔ حتیٰ کہ انسان اس توسیع میں پڑنے کی نہیں سوچے گا۔ کیونکہ اس کے پاس سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ آج کے انسان کے پاس سوچنے کا موقع نہیں ہے یہی ایک عالمی تہذیب ہے وہ اس فرصت سے دریغ کرتا ہے۔ (آوینی، ۱۳۶۰، ص ۴۶)

جدید علوم میں بحران کے موضوع پر ۱۹۸۶ء میں ملیشیاء میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس کے نتائج میں سے ایک یہ تھا کہ اس نظریہ کے اثبات پر اطمینان بخش شواہد موجود ہیں کہ مغربی علم وٹکنالوجی سرمایہ داری کے اخلاق کے ساتھ (جس کے علم وٹکنالوجی کا اپنا اخلاق ہے) علاقائی تہذیب کی تخریب کا مادی ونظری وسیلہ رہی ہے۔ (اہل قلم کی ایک جماعت، ۱۳۸۵، ص ۸۹)

جدیدیت نے عالمی بستی کے رہنے والوں کے پاس ایک جادو کی پڑیا بھیج کر انہیں یہ بتایا ہے کہ کیا کھائیں، کون سا لباس پہنیں، زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ذرائع کیا ہیں اور کس طریقے سے زندگی گزاریں، جدیدیت نے اپنی تہذیب وتمدن کو ترقی پذیر ومطلوب صورت میں پیش کیا ہے چنانچہ ہر شخص

دوسری قوم کے سامنے اپنی تہذیب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے اب تمام قوموں کا افتخار یہ ہے کہ جتنی جلد ہوسکے جدید تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ جائیں، یہی چیز اس بات کا سبب بنی کہ متمدن اور جدت پسند ممالک کی نسل نو کے نوجوان اور جوان اپنی شناخت کے مسئلہ میں ایک قسم کے بحران سے دوچار ہوں کیونکہ باہر سے آنے والی تمدن و تہذیب ان کے عقائد وافکار کے اصولوں کے منافی و معارض جس سے ان کی شناخت ملیامیٹ ہو گئی ہے۔ بعض جدید آلات جیسے انٹرنیٹ نے بھی غیر محسوس طریقہ سے آدمی کی فردی شناخت کو تبدیل کر دیا ہے اس سلسلے میں کی گئی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگ جس قدر انٹرنیٹ پر وقت صرف کرتے ہیں اور جس قدر اخباری اور علمی و تعلیمی سایٹ دیکھتے ہیں اسی تناسب سے ان کی قومی شناخت متاثر ہوتی ہے۔ (عباسی قادی و خلیلی کاشانی، ۱۳۸۹۔ ص ۱۸۷، ۱۹۰)

۳/۸۔ طبیعت کی تخریب اور سلامتی کا بحران

نشاۃ ثانیہ سے پہلے انسان خود کو طبیعت سے ہم آہنگ کرنا چاہتا تھا وہ طبیعت کو ایک نپے تلے نظام کی حامل تصور کرتا تھا انسان بھی اس کا ایک جز تھا۔ اسے بھی اس کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرنا تھیں اس بنا پر وہ طبیعت میں تغیر اور اس کے نظام میں تبدیلی کے درپے نہیں تھا۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کے دوران طبیعت پر کمّی نگاہ سے تجربی علوم نے تیزی سے ترقی کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے بنیادی تصرف و دخل کے ساتھ طبیعت کے تانے بانے کو بکھیر دیا اور طبیعت کو اپنے تابع کر لیا۔ لیکن تغیرات کے جو مشکلات و عوارض تھے کہ جن کی وجہ سے ٹکنالوجی وجود میں آئی تھی، وہ یہ تھے کہ انسان نے اپنے ناقص علم سے اس طبیعی نظام کو درہم برہم کر دیا۔ جبکہ یہ اپنے جدید طبیعی نظام کو ایجاد کرنا نہیں جانتا تھا۔ طبیعت میں تغیرات کے نتیجہ میں زیست کا ماحول (ماحولیات) اور زندہ موجودات کی سلامتی کا بحران پیدا ہو گیا۔ ہر کیمیائی مادہ نئے آلات، دوا، پھول اور نئی زنٹک کے محصولات کا ایک مدت کے بعد انسان کی زندگی کے ماحول پر منفی اثر ہوا۔ ایندھن، تیل کے محصولات، کارخانوں اور حمل و نقل کے وسائل کے دھویں نے فضا کو آلودہ کر دیا۔ صنعتی شہروں میں بسنے والے جدید انسان نے شہروں کو ان کے طبیعی حق، صاف ہوا (جو کہ سنتی طب کی چھ ضرورتوں میں سے ایک ہے) سے محروم کر دیا۔ آلودہ ہوا کی وجہ سے سالانہ ہزاروں آدمی فنا یا سخت بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ''۱۹۹۸ء میں ہوا کی آلودگی کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے لئے ۳۹ میلیارد ڈالر سے زیادہ رقم خرچ ہوئی تھی۔'' (ریفکن، ۱۳۷۴، ص ۱۰۵)

۱۹۹۸ء میں انسانی ترقی کی رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کا ترقی کا منصوبہ دنیا کی بیس فیصد آبادی جو زیادہ آمدنی والے ممالک میں زندگی گزارتی ہے۔اس کی ڈی آکسائڈ فضائی آلودگی کی ذمہ دار ہے۔ اور اس کے بالمقابل دنیا کی ۲/ ۶ آبادی جو مالی اعتبار سے دنیا کے نادار ترین لوگ ہیں اس آلودگی کے تین فیصد ذمہ دار ہیں۔ (ولاس، ۱۳۸۸، ۲۵،۷۲)

انسان کی زندگی میں جدت آنے کے ساتھ ہی طرز زندگی، مصرفی رجحان کی توسیع، بیکری کی تیار شدہ اور پیک چیزوں اور ایک بار استعمال کے ظروف میں تیزی سے اضافہ ہوا ایسی زندگی کے نتیجہ میں کباڑ کی کثرت ہو گئی، اسی زندگی کی وجہ سے دنیا میں لاکھوں ٹن کباڑ بنتا ہے اس کباڑ کی ایک مقدار زمین میں دفن ہو جاتی ہے جو سیکڑوں سال تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہتی ہے۔ کچھ کو جلا دیا جاتا ہے اور یہی فضائی آلودگی کا سبب ہوتا ہے۔

طبیعت میں چھیڑ چھاڑ کے نتائج میں سے ایک جوہری مواد اور تابکاری ہے۔ اس مواد کی شعاعوں سے سرطان (کینسر) پیدا ہوتا ہے طبیعت میں اس مواد اور جوہری پلانٹ کے فضلہ سے تمام زندہ موجودات یہاں تک کہ نباتات (پیڑ پودوں) کو بھی خطرہ لاحق ہے اس مواد کے اثرات بعد والی نسلوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور زنتیکی تغیر کا سبب ہوتے ہیں اور لاکھوں سال بعد طبیعت سے اس کے مخرب آثار ختم ہوتے ہیں۔ بیل مکبین لکھتا ہے: ''جوہری اسلحہ کی اختراع ممکن ہے طبیعت کا نقطۂ آغاز ہو، آخر کار ہم نے طبیعت پر قابو پالیا اور قدرت حاصل کرلی۔'' (۱۳۶۷، ص ۱۰۲)

اسی طرح جدید وسائل جیسے آئن ٹینا، موبائل، ٹیلی فون، سیٹلائٹ اور وہ آلات جو مقناطیسی لہریں چھوڑتے اور جذب کرتے ہیں، موبائل کے صفحات، کمپیوٹر، ٹیلی ویژن اور ہمارے اطراف میں بکھرے ہوئے الیکٹرانک اسباب ووسائل وہ جوہری تابکاری پیدا اور جذب کرتے ہیں۔ روشنی چھوڑتے ہیں۔ یہ سب انسان کی زندگی کے لئے خطرناک ہیں کہ پاور ٹیوب لائٹ (L.E.D) کے بلب جو آج کل ہر گھر میں لگے ہوئے ہیں ان میں پارہ کی بھاپ کو شامل کیا جاتا ہے اس لئے وہ بھی سرطان، آنکھوں کی تکلیف، تھکان و سستی اور میگرن وغیرہ کا سبب ہوتے ہیں۔ ان بلبوں کے ٹوٹنے سے ایک زہریلی بھاپ نکلتی ہے جو فضائی آلودگی اور سرطان کا باعث ہوتی ہے۔ کوئلے اور تیل سے جلنے والی بھٹیاں وغیرہ، جنگل کی بربادی اور جدید انسان کی سرگرمی سے بھی بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ بھٹیوں سے کاربن آکسائڈ F E C متان وغیرہ خارج ہو کر زمین کی فضا میں پھیلتی ہے۔ یہ بھی کرۂ ارض کی آب وہوا کی تبدیلی کا سبب ہوتی ہے اور اس سے زمین کا ٹمپریچر گرم تر

ہو جاتا ہے۔ قطب شمالی و جنوبی کی بے پناہ برف پگھل رہی ہے جس کے نتیجے میں دریاؤں کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ بہت سے شہر ڈوبنے کی کگار پر ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواسط میں صنعتی زمانہ کے آغاز اور کوئلے، تیل اور گیس کے زیادہ جلانے سے اوپر بہت زیادہ ڈی کاربن آکسائڈ جمع ہو گئی ہے جس کے نتیجہ میں زمین اس قدر گرم ہو گئی ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی گرم نہیں ہوئی تھی۔ ۱۹۶۰ء سے اب تک دنیا کی صنعتی قوموں نے ۱۸۵ ٹن سے زیادہ کوئلہ، تیل اور گیس جلا کر کرہ ہوا میں پہنچا دیا ہے۔ اسی عرصہ میں ۱۹۹۳ء میں ۵ ملیارد ٹن کاربن آکسائڈ کا اضافہ ہوا ہے، دانشوروں نے پیشن گوئی کی ہے کہ ۲۰۳۰ء تک کرۂ ہوا میں کاربن آکسائڈ دوگنا ہو جائے گی اور اس میں بے سابقہ اضافہ ہو جائے گا۔ (لسٹر راسل اور اس کے ہمکار، ۱۳۷۷، ص ۳۴)

اسی طرح ادھر گذشتہ برسوں میں بھٹیوں کی گیس میں افزائش اور کرۂ ہوا کی پرت سے اس کے ٹکراؤ کی بنا پر اوزون کی پرت زیادہ کمزور ہو گئی ہے اور سورج کی مضر اور سرطان پیدا کرنے والی شعاعیں انسان اور کرۂ ارض کے دوسرے زندہ موجودات کے لئے خطرہ بن گئی ہیں۔ ناسا (Nasa) کی پیشینگوئی کی بنیاد پر ۲۰۵۰ء میں دس فیصد اوزون ختم ہو جائے گی E.P.A کی پیشین گوئی یہ ہے کہ اوزون کی ڈھال میں یہ بے تحاشہ کمی اس بات کا سبب ہو گی کہ کھال کے کینسر میں آج کی بہ نسبت سالانہ لاکھ سے زیادہ کا اضافہ ہو جائے گا۔ (ریفکین، ۱۳۷۴، ص ۹)

جدید ٹکنالوجی اور طرز زندگی کے وجود میں آنے کے بعد جدید انسان کے پاس توانائی اور غذا کی فراہمی اور پیدا کرنے کا وقت نہیں رہ گیا تھا۔ لہٰذا غذائی مواد فراہم کرنے والی کمپنیاں شاخ در شاخ دوکانیں (چین اسٹور) عوامی کمپنیاں، رسٹورینٹ، کافی کارنر، فاسٹ فوڈ (جلد پکے ہوئے کھانے) کی دوکانیں کھل گئیں، غذائی مواد کی پیداوار اور اس کی تقسیم اور غلہ کی پیداوار بڑھانے کے لئے کھاد وغیرہ کا نظام سرمایہ داروں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب زندگی کے ماحول کے لئے ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ زراعت کو قدرتی آفات سے بچانے کی جو دوائیں استعمال ہوتی ہیں ان کا اثر غلات میں بھی آتا ہے۔ کیمیائی کھاد کو مٹی کم پانی، تالاب میں، ندیوں میں اور دریاؤں میں دھویا جاتا ہے۔ یہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ (پتریانوف، ۱۳۵۹، ص ۵۶۱) اسی طرح کارخانوں میں ذائقہ بڑھانے اور کیمیکلی و مصنوعی غذاؤں کو محفوظ رکھنے والی چیزیں بھی انسان کی سلامتی کے لئے ایک قابل اعتناء خطرہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ (جو غذا آج کل ہم لوگ کھاتے ہیں وہ تیل (کیمیکل) سے تیار

ہوتی ہے۔ زمین سے پیدا نہیں ہوتی ہے، تو غلط نہ ہوگا) (ریفکین ۱۳۷۴، ص ۱۵۹) اور اب ڈاکٹری، طبابت کا سارا فخر یہ ہے کہ وہ مذکورہ خطرات میں سے کسی چھوٹے سے عارضہ و خطرہ کو برطرف کرتے ہیں۔

جدید انسان اپنی ٹکنیکی نظر سے طبیعت کو دیکھتا ہے اور جدید ساخت کے آلات استعمال کرکے اس سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ معادن اور زمین کے نیچے کے ذخیروں کو برباد کرتا ہے۔ نباتات کا لباس پھاڑ ڈالتا ہے، جنگلوں کو برباد کردیتا ہے جس سے مختلف قسم کے حیوانوں کی زندگی کے لئے خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور نتیجہ میں طبیعت کے طبیعی نظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کا ذمہ دار جدید انسان ہے۔ تخمینہ کے مطابق انسانی سرگرمیوں کے نتیجہ میں ہر سال زراعت کی پندرہ ملین (ڈیڑھ کروڑ) ہیکٹر زمین ختم ہو جاتی ہے۔ (آٹور لبوپچی، ۱۳۷۰، ص ۷۸)

معاصر زمانہ میں قدرت وطبیعت سے جس طرح فائدہ اٹھایا گیا ہے اور جس طرح اسے برباد کیا گیا ہے اس طرح اس سے پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ آنے والی نسلوں کی زندگی کے ماحول اور حیات کے سرچشموں کو تباہی کے دہانے پر پہنچادیا ہے۔ زندگی کی فضاء کے جن خطروں اور بحرانوں سے انسان دوچار ہوا ہے اس کا سبب نشاۃ ثانیہ کے عہد میں جہان بینی کو بدلنا تھا۔ اس جہان بینی (تصور کائنات) کا اصلی مقصد انسان دوستی اور اس کی لذت اندوزی کے لئے طبیعت سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا تھا۔

نتیجہ

۱۔ علم وٹکنالوجی کی توسیع وارتقاء کے ساتھ ایک قسم کی تہذیب اور خاص تمدن وجود آتا ہے۔

۲۔ آلات سازی اور توسیع کی ایک طرفہ ترقی اور اس سے وجود میں آنے والے آثار وتہذیب جو ایک نئی تہذیب وتمدن کی ایجاد کا باعث ہوتی ہے، تحقیق و تجزیہ کے بغیر اسلامی عقائد واقدار کی رونق کو کم کرتی ہے۔

۳۔ تمام طلاب اور دانشوروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جدیدیت وٹکنالوجی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے طرز زندگی کے بارے میں مطالعہ و تحقیق کریں اور اس کی ماہیت کے بارے میں غوروخوض کریں کیونکہ فردی واجتماعی اور روحی ونفسیاتی اثرات کا علم ملک کے عوام کو علمی صلاحیت عطا کرتا ہے تاکہ وہ اخلاقی، نفسیاتی، اجتماعی، اقتصادی اور سلامتی وامن کے بحران کے اسباب کو بہتر طریقہ سے جان لیں اور بحرانوں کو کم کرنے کے لئے کوشاں رہیں اور آفات شناسی اور اسلامی طرز زندگی کی شناخت کے ساتھ، جو اسلامی عقائد واقدار کی بنیاد پر استوار ہے اس تک رسائی کا راستہ ہموار کریں۔

۴۔ طرز زندگی کے تین طبقے ہیں، فکر، تہذیب اور تمدن، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسلامی طرز زندگی کے بارے میں اس وقت بحث کی جاسکتی ہے جب معاشرہ میں موجود تہذیب وتمدن مکمل طور پر اسلامی تہذیب وتمدن پر منطبق ہو اور طرز زندگی کی یہ قسم انسان کو ایسا طریقہ بتاتی ہے جس سے وہ دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ ہر خاص فکر اپنا ایک خاص تہذیب وتمدن بناتی ہے۔ اسلامی فکر بھی، جس کا محور ومدار خدا وشریعت ہے وہ آج کی مغربی تہذیب وتمدن سے الگ ایک مکمل تہذیب وتمدن ہے اور مغربی تہذیب وتمدن کا طرز زندگی انسان دوستی (Humanism) سیکولرازم کمیت کے رجحان، غایت کی نفی اور تکامل کی جہان بینی (تصور کائنات) پر منطبق ہے۔ اس فکر سے ایک ایسی تہذیب اور ایک ایسا تمدن وجود میں آگیا ہے جو مکمل طور پر مادی ہے، معنویت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بنا پر اسلامی فکر اور اس کا طرز زندگی ہر ایک توسیع وترقی سے میل نہیں کھاتا ہے۔ اس توسیع وترقی کے بارے میں گفتگو ہونی چاہئے جو اسلامی اغراض واقدار کے تابع ہوتی ہے۔

اسلامی فکر کی بنیاد پر انسان کی ترقی کا معیار، روحی ومعنوی اعتبار سے ترقی کرنا ہے۔ مادی اور ٹکنالوجی کی وہی ترقی مستحسن ہے جو انسان کی روحی ومعنوی امور میں مددگار ہو لیکن جس توسیع وترقی سے انسان دنیا میں غرق ہو جاتا ہے وہی طبیعت وفطرت کی تخریب کا باعث ہوتی ہے اور جس ارتقاء میں صرف لذت ورفاہ کا پہلو اہمیت رکھتا ہے وہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔

ٹکنالوجی کے اصولوں پر تنقید اور اس کے عوارض کی تحلیل وتحقیق، موجود حقیقت سے فرار اور آج کی مشینی زندگی سے کنارہ کشی نہیں ہے بلکہ ان مسائل کی شناخت ہمیں صحیح راہ حل اور مستقبل کے لئے منظم منصوبے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اگرچہ جدید ممالک میں موجود بحران اور عوارض میں سے بعض بحران وحالات ابھی ہمارے ملک میں رونما نہیں ہوئے ہیں، لیکن اندھی تقلید اور مغربی تعلیم، جدید آلات کی پیداوار اور ان کا استعمال ہمیں انہیں مشکلوں اور بحرانوں کی طرف لے جارہا ہے۔ اس بنا پر ہمیں اس مشکل میں مبتلا ہونے سے پہلے ان مسائل کے بارے میں اچھی طرح معلومات فراہم کرکے اس طریقہ کو بدلنے کی فکر کرنا چاہئے۔

منابع

قرآن
اسٹیس، والٹر ٹرنس؛ (۱۳۷۷)؛ دین و نگرش نوین؛ مترجم احمد جلیلی، تہران، حکمت۔
آوینی، مرتضی: (۱۳۹۰) (a) ؛آغازی بر یک پایان؛ تہران، واحہ۔
آوینی، مرتضی؛ (۱۳۹۰) (b) ؛آینہ ی جادو؛ ج ا، تہران، واحہ۔
آوینی، مرتضی؛ (۱۳۷۵)؛ حکمت سینا؛ تہران، بنیاد سینمایی فارابی۔
آوینی، مرتضی؛ (۱۳۸۶)؛ فردای دیگر؛ تہران، ساقی۔
بابور، ایان؛ (۱۳۶۲) علم و دین؛ مترجم بہاء الدین خرمشاہی، تہران، نشر دانشگاہی۔
باقری، مجید (۱۳۸۹)؛ آوینی پاسخ می گوید؛ قم، خادم الرضا۔
برٹ، اڈوین آرثر؛ (۱۳۷۴)؛ مبادی مابعد الطبیعہ علوم نوین؛ مترجم عبدالکریم سروش، تہران، علمی و فرہنگی۔
بیزونسکی، میشل، (۱۳۸۸)؛ سرگذشت فیزیک نوین؛ مترجم لطیف کاشیگر، تہران، فرہنگ معاصر۔
پسٹمن، نیل؛ (۱۳۷۸)؛ نقش رسانہ ہای تصویری در زوال دوران کودکی؛ مترجم صادق طباطبائی، تہران، اطلاعات۔
پیسی، آرنولڈ: (۱۳۶۷)؛ تکنولوژی و فرہنگ؛ مترجم بہرام شالکونی، تہران، مرکز۔
ڈانٹزیک، ٹوبیاس؛ (۱۳۶۱)؛ عدد، زبان علم؛ مترجم عباس گرمان، تہران، کتابہای جیبی۔
داوری اردکانی، رضا، (۱۳۷۹)؛ در بارہ علم؛ تہران، ہرمس۔
ڈریفوس، ہیوبرٹ؛ (۱۳۸۹)؛ در بارہ ی اینترنت؛ مترجم علی فارسی نژاد، تہران، ساقی۔
ریختہ گران، محمد رضا؛ (۱۳۸۹)؛ پدیدار شناسی، ہنر، مدرنیتہ؛ تہران، ساقی۔
ریفکین، جرمی؛ (۱۳۷۴)؛ جہان در سراشیبی سقوط؛ مترجم محمود بہزاد، تہران، سروش۔
عباسی قادی، مجتبی و خلیلی کاشانی، مرتضی؛ (۱۳۸۹)؛ تأثیر اینترنت بر ہویت ملی؛ تہران، پژوہشکدہ مطالعات راہبردی۔
کاپلسٹن، فردریک چارلز، (۱۳۸۰)؛ تاریخ فلسفہ؛ ج ۳، تہران، علمی و فرہنگی۔
لسٹر راسل، براون و دیگران؛ (۱۳۷۷)؛ وضعیت جہان ۱۹۹۸؛ مترجم فرزانہ بہار و دیگران، مشہد، جہاد دانشگاہی۔
لیوپچی، آئور و دیگران؛ (۱۳۷۰)؛ جہان در آستانہ قرن بیست ویکم؛ مترجم علی اسدی، تہران، انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی۔
مجموعہ سخنرانی ہای کنفرانس مالزی؛ (۱۳۸۵)؛ بحران علم مدرن؛ مترجم سید مجتبی عزیزی، تہران، کتاب صبح۔
مکبین، بیل؛ (۱۳۸۷)؛ پایان طبیعت؛ تہران، کتاب صبح۔

نصر، حسین : (۱۳۸۳)؛اسلام وتنگناہای انسان متجدد؛ مترجم انشاالله رحمتی، تہران، سہروردی۔

نصر، حسین؛ (۱۳۸۷)؛جوانان مسلمان و دنیای متجدد؛ مترجم مرتضی اسعدی، تہران، طرح نو۔

ہاٹ، جان اف، (۱۳۸۲)؛علم و دین از تعارض تا گفت و گو؛ مترجم بتول نجفی، قم، کتاب طہ۔

منابع مقالات

ولایس، راڈنی؛ (۱۳۸۸)؛ « مصرف بیش از حد، مشکل ہمگان » ؛ سیاحت غرب، ۷۲، قم، مرکز پژوہش ہای اسلامی صداو سیما۔

ناس، کلیفورڈ؛ (۱۳۸۹)؛ « گرفتار در چنبرہ وسایل الکترونیکی » ؛ سیاحت غرب، ۸۴، قم، مرکز پژوہش ہای اسلامی صدا و سیما۔

کارل، نیکلاس؛ (۱۳۸۹)؛ « چگونہ اینترنت مارا کودن ترمی کند ؟ » ؛ سیاحت غرب، ۸۵، قم، مرکز پژوہش ہای اسلامی صداو سیما، ۱۳۸۹. ایلیچ، گریگوری؛ (۱۳۸۹)؛کارخانہ ہای بیگاری، موتورہای فقر و فلاکت؛ سیاحت غرب، ۸۶، قم، مرکز پژوہش ہای اسلامی صداو سیما۔

پٹریانوف، وی؛ (۱۳۵۹)؛علم تکنولوژی و بحران محیط زیست؛ ہدہد، ۱۶، تہران۔

حاشیہ

[۱] نیل پسٹمن استاد دانشگاہ نیویارک، معاشرہ شناس اور اجتماعی ارتباط کے مسائل کا ماہر ہے۔ اس کی مشہور کتابوں میں « ٹکنو پولی » ، « ظہور رسانہ و زوال کودکی » و « زندگی عیش، مردن در خوشی » کا نام لیا جاسکتا ہے۔

. [۲]طالع بین و ساحر آلمانی (۱۴۸۸ء) جرمنی جادوگر اور قسمت کا حال بتانے والا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے طاقت کے عوض اپنی روح شیطان کو فروخت کردی تھی۔